پاکستان میں علوی اور ایرانی شیعت کا تصادم

تحریر از: ڈاکٹر سید بنیاد علی آقائی

کچھ عرصہ پہلے آغا متحدی اپنے دوست پروفیسر قیام علی سے ملاقات کیلئے اُن کے ہاں تشریف لائے۔ تھوڑی دیر نجی بات چیت ہونے کے بعد گفتگو کا مرکز عاشورہ گزرنے کے چند روز بعد رونما ہونے والے فرقہ وارانہ مظاہروں اور مذہبی منافرت پر آٹھہرا۔

آغا متحدی کہنے لگے۔۔۔

آغا متحدی: میں تو کہتا ہوں اس تشویش ناک صورتحال کی برآمدگی کے اصل ذمہ دار ذاکرین ہیں۔ اپنی منافع بخش مجالس میں ایک طرف وہ غلو کے مرتکب ہیں تو دوسری طرف اہل سنت برادران کی دل آزاری ہوتی ہے۔ اِن کو تابین فسادیوں کیلئے اتحاد بین المسلمین کی بھلا کیا اہمیت ہو گی جو اس کے شیعہ قائدین اور حامیوں کو اتحاد بین المنافقین کے سرغنے گردانتے ہیں۔ حالانکہ خود اِن نصیریوں کا مذہب اثنا عشریہ سے کوئی تعلق واسطہ نہیں! اِن غیر ذمہ دار غالیوں کو منبر سے اُتارنا ہو گا۔

پروفیسر قیام علی: کیا وہ بارہ کے بارہ اماموں ؑ کو نہیں مانتے؟

آغا متحدی: وہ تو مانتے ہیں۔

پروفیسر قیام علی: پھر اُن کو اثنا عشری شیعہ نہ ماننے کا کیا مطلب رہ جاتا ہے؟ کیا آپ کے نقطہ نظر سے الگ اختلافی رائے رکھنا اثنا عشری نہ ہونے کے مترادف ہوتا ہے؟ کیا آپ شعیت کی بقا کے ٹھیکدار ہیں؟ آپ کو کس نے اثنا عشری اجازت نامے تقسیم کرنے کا استحقاق بخشا ہے؟ کبھی غور کیجئے کہ جو بارہ اماموں ؑ کو نہ صرف برحق بلکہ مِن جانب اللہ ماننا ہو! وہ اثنا عشری شیعہ نہیں تو اور کیا کہلوائے گا۔ اور یاد رہے کہ شعیت کے قیام و بقا کی وجہ و ضمانت خود امامؑ زمانہ کا وجود ہے۔ البتہ یہ بتائیں کہ اُن کو آپ کیسے منبر پر آنے سے روکیں گے؟

آغا متحدی: ایسے اقدامات کرنے چاہئے۔

پروفیسر قیام علی: کیا مطلب؟

آغا متحدی: شیعہ عقائد اور رسوم میں اصلاحی انقلاب لانے کی ضرورت ہے۔ ہمیں ذاکرین اور خطیبوں کی علمی تربیت کرنا ہو گی۔

پروفیسر قیام علی: آپ نے کبھی یہ شک کرنا بھی گوارہ کیا ہے کہ یہ سوچ اور فیصلہ یک طرفہ ہو سکتا ہے؟

آغا متحدی: کیسے؟

پروفیسر قیام علی: مجھے تو اس کے برعکس یوں سمجھ آتی ہے کہ بداعتمادی، نفرت اور دشمنی کی اس فضا کی پیداوار میں مولوی لوگوں کا زیادہ ہاتھ ہے۔ آپ کو یہ ماننا ہوگا کہ یہ تالی ایک ہاتھ سے نہیں بج رہی۔ البتہ اس باہمی کشمکش اور تصادم میں دل و دماغ کی بڑھتی ہوئی تنگی نے علم و دانش، روحانیت اور اعلیٰ اخلاقیات کیلئے سانس لینا دوبھر کرنا شروع کر دیا ہے۔ آج ہمارے شیعہ سماج، افکار اور سیاست پر پاکستان میں جو منفی اور شرمناک اثرات مرتب ہو رہے ہیں، سب کا تانا بانا اسی داخلی تصادم میں ملے گا۔

آغا متحدی: اس طرح تو فساد بین الاشعیان کا اصل بھار آپ علماء پر ڈال رہے ہیں۔

پروفیسر قیام علی: جی ہاں یہ ہی لسانیات کے ماہر پوجاری، جو اپنے آپ کو بنی اسرائیل کے انبیاء سے بھی افضل سمجھے بیٹھے ہیں۔ جنہوں نے اصلاح کی آڑ میں روح شعیت کی عالمگیر آگہی اور فکر میں بلندیوں کو آئمہ کے نقلی حلیے میں یرغمال بنا رکھا ہے۔ اِن ہی نے تو روحِ شعیت کو کلیسا کی مانند بڑے منظم طور پر چنوا کر قید کر رکھا ہے۔ اِن مذہبی اجارہ داری کے شوقین ملاؤں کی نسبت ذاکرین کی اہمیت تو ردعمل ثابت ہوتی ہے۔

آغا متحدی: آپ نے صرف "**ردعمل**" کہہ کر بات ختم کر دی، لیکن میرے لئے تو آپ کے تلخ نقطہ نظر کو ہضم کرنا نہایت دشوار گزار ہے۔ تاہم اتنی سمجھ میں بھی رکھتا ہوں کہ یہ تالی ایک ہاتھ سے نہیں بج رہی۔ بیشک ہمارے شیعہ علماء جو معصوم نہیں بلکہ انسانی فطرت کے لحاظ سے اکثر موقعہ شناس، حریص، ریاکار اور دُنیاوی شان و شوکت کے شیدائی ہیں، بھی بّری الزام نہیں ہو سکتے۔

پروفیسر قیام علی: اگر ہم نے یہ روش بدلنے کیلئے روشن فکری اختیار نہ کی تو اصلاح کاری کے اس سارے سطحی چکر میں ہمارا وقت اور توانائی، دونوں ہی برباد ہوتے چلے جائیں گے۔ اصل ضرورت یہ ہے کہ بدبختی کے اس پہیئے کو روکا جائے۔

آغا متحدی: یہ کس طرح ممکن ہے؟ کیونکہ ذاکرین اور ولایہ والے علوی شیعت کے خود کو علمبردار کہتے ہیں۔ جبکہ مولوی حضرات اپنے تقلیدی نظام میں ایرانی طرزِ شعیت لانے پر تلے ہیں۔ دونوں قطعاً ایک دوسرے سے بیزار نظر آتے ہیں۔

پروفیسر قیام علی: اس واسطے نااتفاقی کے ناسُور کو تلاش کر کے اس کا استیصال کرنا ہوگا۔ اُس کی تلفی کیلئے بین الاقوامی سیاست کے ہمارے ملک اور شیعہ قوم پر مرتب ہونے والے اثرات اور ردعمل کو سمجھنا اشد ضروری ہے، جس کی روشنی میں ہمیں اپنی بیماری کی تشخیص میں مدد حاصل ہوگی۔ اس کے بعد ہی اس قابل ہوں گے کہ اتحاد کا اصلی حل سامنے لا سکیں۔ یہ تینوں باتیں مثلث کے سہ اضلاع کی مانند ہمارے تجزیہ و تحلیل میں ایک دوسرے سے نہایت مربوط ہیں۔

ہمارا خطہ تاریخ میں ہمیشہ سے مشرقِ وسطی میں وقوع پذیر ہونے والے واقعات کے اثرات سے بڑے بامعنی طور پر منسلک ہے۔ یوں ہم اپنے تعین کیلئے مشرقِ وسطی میں جاری جدوجہد اور انقلابی تبدیلیوں سے الگ ہو کر کوئی سنجیدہ حل نہیں تلاش کر سکتے۔

آغا متحدی: آپ اس نقطہ نظر پر ذرا تفصیل سے روشنی ڈالیں۔

پروفیسر قیام علی: ہم دیکھتے ہیں کہ عراق، شام اور یمن میں جاری مزاحمت اور فیصلہ کن جنگی مہم نہایت صراحت کیساتھ اپنے منطقی انجام کے قریب تر ہوتی چلی جارہی ہے۔ جبکہ چین، ایران اور روس کی ثلاثہ طاقت کا نیا عالمی نظام عراق کی سرزمین سے ایک بار پھر تاریخ میں اُبھرتا نظر آرہا ہے۔ اس ثلاثہ طاقت کے اقتصادیاتی، نظریاتی اور عسکری امتزاج میں ہمیں ترقی پسند روح کی متحرک نمائندگی ملتی ہے۔ جبکہ اس کا مخالف رجعت پسند امریکہ، مغرب اور آل سعود کا استحصال، جبر اور دہشت گردی پر مبنی گٹھ جوڑ مسلسل ناکامی و نامرادی سے دوچار ہوتا جارہا ہے۔ اگر ہم گوادر کی بندرگاہ پر کھڑے ہو کر دیکھیں تو ایسے معلوم ہوگا کہ ذوالفقار علی بھٹو کا ''Ghost of Ceasar'' اپنے انتقام کیلئے ''Actium'' میں آگیا ہے۔

اگر امریکی سرمایہ دار ٹولے کو ''سرد جنگ'' کے دنوں میں آئندہ پیش آنے والے موجودہ حالات کی ذرا سی بھی بو آگئی ہوتی تو صدر کینڈی نے کبھی قتل نہیں ہونا تھا۔ بلکہ چین اور ایران کے خلاف امریکہ نے USSR کو مستحکم کرنے کیلئے جوئے شیر لانا تھا۔

آغا متحدی: یہ فاش غلطی سوویت یونین کو توڑنے کی امریکہ سے کیوں سرزد ہوگئی؟

ڈاکٹر قیام علی: کہتے ہیں جب دیوتاؤں نے کسی کو برباد کرنا ہو تو وہ اُس کا دماغ خراب کر دیا کرتے ہیں، جس کے بعد وہ اپنی بربادی کا سامان خود ہی اکٹھا کرنے پر تُل جاتا ہے۔ اس طرح سوویت یونین کی فتح نے امریکہ اور اُس کے عالمی نظام میں اتحادیوں کو ''Pyrrhus'' کے مقام پر لا کھڑا کیا۔ لیکن جب وہ ''Achilles'' بن کر عراق کی طرف لپکا تو وہ اس کیلئے ''Troy'' ہی ثابت ہونا تھا۔

آغا متحدی: کیوں؟

پروفیسر قیام علی: اصل میں امریکہ نے روسی قوم کا نہایت غلط اندازہ لگا رکھا تھا۔ اُن کو یہ گمان ہی نہ گذرا کہ سوویت یونین کے بعد روسی عزم اور حوصلہ اس قدر خوفناک تیزی سے دوبارہ اپنے پیروں پر اٹھ کھڑا ہو کر اسُے مشرق وسطی کے رتیلے میدان میں یوں شجاعانہ للکارے گا! دوسری طرف فتح کے نشے میں چین کے باحضر تیز رفتار صنعتی پہیے کو روکنے میں اُس نے کاہلی کا ثبوت دیا۔ چنانچہ 9 ستمبر کے بعد جب اس نے عراق پر یلغار اور افغانستان میں طالبان سازی کی، تو وہ خود ہی تاخیر کا شکار ہو چکا تھا۔

آغا متحدی: کیا امریکہ سوویت یونین کو بچا سکتا تھا؟

پروفیسر قیام علی: نہیں، البتہ اس کے زوال کا دورانیہ طویل ضرور کر سکتا تھا۔

آغا متحدی: اُس کا خاتمہ آپ کی نظر میں کیوں اٹل تھا؟

پروفیسر قیام علی: روسی انقلاب کی موت اپنے داخلی تضادات میں منطقی طور پر طہ شدہ تھی۔ کچھ ماہرین کا کہنا ہے کہ سوویت یونین کی موت کا سبب "Russification" بنی۔ تاہم میں سمجھتا ہوں کہ علت بذات خود یہ "Russification" نہ تھی۔ البتہ اس ناگوار حکمت عملی نے خود روس کے انقلاب میں پوشیدہ مہلک مرض کو ظاہر کرنے کا عمل تیز تر کر دیا۔ کیونکہ سوشلسٹ انقلاب کی روس میں کوئی معروضی حقیقت نہ تھی۔ روسی سرزمین پر اس انقلاب کو زبردستی برپا کیا گیا۔ روسیوں پر ان کے خطے میں ان کی فطرت اور روحانیت کے منافی مغربی مشن پرستی کے اجنبی تسلط کو حاوی کیا گیا اور لینن کو اپنے آخری ایام میں اپنی ناکام فتح کا مایوس کن احساس ہو گیا۔

آغا متحدی: ہمارے ملک میں تو سوشلسٹ روسی انقلاب کے گیت گاتے ہیں۔

پروفیسر قیام علی: اسی کو کہتے ہیں مجرم سُست، گواہ چُست۔ اِن بالیشوازم کے پاکستانی پوجاریوں کیلئے دو مضمون مطالعہ لائق ہیں۔

1). The Ghost of Bolshevism in Pakistan.

2). The Myth of Marxism And Pakistan.

خیر روسی انقلاب سے جان خلاصی ہوئی تو سامنے انقلاب ایران امریکہ کے سامنے کھڑا تھا، جو اپنی نوعیت میں اس کیلئے بے قابو ثابت ہوا۔ سچ کہتے ہیں، آسمان سے گرا، کھجور میں آٹکا۔

آغا متحدی: اس کی کیا وجہ تھی؟

پروفیسر قیام علی: اس انقلاب کی ایران میں باقاعدہ تاریخی جڑیں تھیں اور ایرانیوں کے مزاج، مسائل، مذہب کا فطرتی، حقیقی اور روحانی ترجمان تھا۔ ظلم، جبر اور طاغوت کے خلاف قیام میں علما اور جدید مفکرین کیساتھ عوام کی مساوی شمولیت تھی۔ ایرانی انقلاب کے معلم شہید علی شریعتی اپنی آئیڈیالوجی آف اسلام کے قیام میں لینن کی طرح کسی زبردستی درآمد شدہ سوچ کو ناگوار نہ طور پر مسلط کرنے پہ بضد نہیں تھے، بلکہ انہوں نے نہایت باکمال ہنرمندی سے مغربی وجودیت اور روسی سوشلزم کا تنقیدی تجزیہ کر کے آزادانہ روشنی میں ابوذر غفاری کے زندہ احتجاج کی انقلابی روح قوم میں ظلم، جہالت، استحصال اور افلاس کے خلاف پھونک دی۔

آغا متحدی: پاکستان میں فکری سطح پر انقلاب ایران کو کس طرح سمجھا گیا ہے؟

پروفیسر قیام علی: اس کی دو نمائندہ مثالیں دیتا چلا جاؤں گا۔ (i) سوشلسٹوں نے پاکستان میں سبطِ حسن کی طرح طفلانہ روسی تقلید میں ایران کے انقلاب کو مسترد کر کے اپنی لاوارث تحریک کو دقیانوسی سوچ، مغرب پرستی اور مذہبی بھونڈی میں بدل لیا ہے۔

دوسری طرف کٹر مخالف مذہبی راہنماڈاکٹر اسرار احمد نے اپنے آخری ایام میں انقلاب کو درس کربلا کی برکت کا نتیجہ قرار دیا ہے۔اور مولانا مودودی کیلئے بھی یہ اظہر من الشمس ثابت ہوا۔

آغا متحدی: آپ شائد غلام احمد پرویز کو بھول رہے ہیں۔

پروفیسر قیام علی: وہ انقلاب روس سے اخذ کردہ نتائج کی اسلام میں غیر حقیقی پیوند کاری کرنا چاہتا ہے۔اس کی سوچ بنیادی طور پر ایران مخالف تھی۔اس کی سوچ کا تنقیدی جائزہ ہم نے اپنی کُتب (i) The Intellectual Tragedy of Islam (ii) عصمت آدمؑ اور ابلیس میں لیا ہے۔

آغا متحدی: ان انقلابات میں پاکستان کہاں کھڑا نظر آتا ہے؟

پروفیسر قیام علی: پاکستان کے نظریاتی وجود کی بنیاد روسی انقلاب نے رکھوادی۔ 1947ء میں یہ حقیقت بنادیا گیا اور انقلابِ ایران کے بعد سوویت یونین کیساتھ اس کی بھی ضرورت ختم ہوگئی۔ یہ آج کا پاکستان وہ روس مخالف نظریاتی ریاست نہیں۔

تاہم نئی پیدا شدہ صورتحال میں ایک بار پھر امریکہ کو پاکستان کی چین اور ایران کے درمیان اب بطور ''درمیانی مورچہ'' ضرورت پیش آگئی۔ امریکہ کو پاکستان میں خفیہ جوہری طاقت موجود ہونے کی خبر تو تھی، لیکن وہ کھلم کھلا ایٹمی پروگرام کے خاتمے کا مطالبہ کرکے اپنے ''**بڑے کھیل**'' کو خراب کرسکتا تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ بلوچستان میں بغاوت پھیلا کر وہاں سے نہ صرف ایران میں داخل ہوجائے؛ بلکہ گوادر سے چین کی خلیج فارس میں طاقت کے آئندہ قیام کو بھی ناکام بنادئے۔ جبکہ اوپر کیطرف شمالی علاقہ جات کے راستے اس نے جنوبی چین میں علاقائی، نسلی اور مذہبی بغاوتوں کا بازار گرم کرکے وہاں تمام صنعت وتجارت کا ملیامیٹ کرنے کی بھی ٹھانی تھی۔

اس دوران اپنے ناپاک عزائم کی کامیابی کیلئے اس نے ایران دشمن پختونوں کی طالبان اور عربوں میں داعش سازی شروع کردی۔ وہ اس طرح اسلام کی سفاک، انتہا پسند اور غیر مہذب تصویر دنیا کے سامنے پیش کرنا چاہتا تھا کہ ایران کو دہشت گرد اسلامی ریاست قرار دے کر اس پر حملے کا جواز پالے۔ ساری دنیا کو ایران کے خلاف کھڑا کرنا شروع کردیا۔ داغستان اور چیچنیا کے راہ اس نے داعش انتہا پسندوں کو روس میں داخل کرنے کی کوشش کی۔ لیکن اس کا خونی پروپیگنڈہ آہستہ آہستہ بے نقاب اور ناکام ہوتا چلا گیا۔

آغا متحدی: کیسے؟

پروفیسر قیام علی: جھوٹ کے پیر تو ہوتے نہیں۔ جب امریکی دانشوروں اور عوام نے انقلاب ایران اور ڈاکٹر علی شریعتی جیسے روشن مفکرین کا مطالعہ کیا تو حقیقت عیاں ہونے لگی۔ امریکی حکومت اور اس کی بددیانت اور جارحانہ بیرونی پالیسوں کے

خلاف بداعتمادی اور نفرت کی صورت میں رد عمل سامنے آنے لگا۔ امریکہ اپنے اتحادیوں سمیت ساری دنیا میں اخلاقی اور انسانی علمبرداری کا جواز کھو بیٹھا۔ امریکی ہتھکنڈے اپنی افادیت کھوتے گئے۔ مطلب ہنری کسنجر نہیں چلے گا۔

دوسری طرف مشرق سے مغربی تاریکیوں کو چیرتا ہوا نیا سورج اُبھرنے لگا۔ کرونا وائرس کی میڈیا بے نقابی کیساتھ ساتھ نئے عالمی نظام کا ننھا پودا نظر آتا گیا۔ حالیہ چین وایران کے چاہ بہار معاہدے نے ایک اور فیصلہ کن کیل ٹھوک دیا ہے۔ آج دنیا کی توانائی کا راہ خلیج فارس میں نالائق امریکی ہاتھوں سے نکل کر نئی ثلاثہ طاقت کے اختیار میں آچکا ہے۔ انقلاب ایران کے بعد اس سلسلے میں پہلی کڑی صدام حسین کیساتھ امریکی تصادم میں نظر آتی ہے۔ کل تک وہ آپس میں شر و شکر تھے، آج شیر و شکار ہو گئے۔ شیاطین کی آپس میں ہی میں جنگ چیڑ گئی۔ بڑا سانپ چھوٹے کو نگل گیا۔

آغا متحدی: کیوں ایسا کہا جاتا ہے کہ یہ تمام جنگ وجدل ظہورِ مہدیؑ کا پیش خیمہ ہیں۔

پروفیسر قیام علی: مختلف اقوام، ہر دور میں کرب و بلا کے وقت مہدیؑ کو یہی اپنی اپنی زبان میں پکارتی ہیں۔ اس وقت ہمیں یہ سمجھنے کی ضرورت ہے کہ نئے ترقی پسند رجحان کی نشوونما کیلئے نئے عالمی نظام کو تازہ آکسیجن واسطے کھلی فضا درکار ہے۔ جبکہ رجعت پسند طاقتیں اس کی قطعی اجازت نہیں دے سکتیں۔ لیکن چوزے کو تو چھلکا توڑ کر انڈے سے باہر تو آنا ہے۔ اب دونوں مخالف نظاموں میں بقا کی زبردست جدوجہد جاری ہے۔ ہر طرف ظلم، جبر اور طاغوتی یلغار ہے۔ قصہ مختصر کہ ہمارا دور نہایت اذیت ناک دورانیے سے گزر رہا ہے۔ پیدائش کے وقت Labour Pains کا یہ دور تہذیبوں کے تسلسل میں پہلا اور عجیب واقعہ نہیں، بلکہ یہ اذیت ناک دورانیہ Time of Troubles تاریخ میں ایک اور سنگ میل کی طرح جانا جائے گا۔

آغا متحدی: پاکستانی ریاست کا رد عمل اور اس کے اہلسنت اور اہل تشیع پر کیا اثرات مرتب ہوئے؟

پروفیسر قیام علی: جنرل ضیاء کی تنگ سوچ، مفاد پرستی اور ابن الوقت خارجہ پالیسی نے اہل سنت پر بڑے منفی اثرات مرتب کئے۔ وہ آج بھی داعش، امریکہ اور سعودیہ کے انسان کش گٹھ جوڑ کا کامیاب تجزیہ نہیں کر پائے۔ ڈاکٹر طاہر القادری جیسے روشن فکر علماء نے اگرچہ ان انسانیت، ملک، قانون اور اصل مذہب دشمن بھیڑیوں کو خوارج دیتے ہوئے بیدار کرنے کی کوشش کی ہے: لیکن ان میں لبنان، شام، عراق اور ایران کے شیعوں کی؛ ''انقلابی پٹی'' کو سمجھنے، ہمدردی رکھنے اور فکری احترام کرنے میں رغبت نہیں پائی جاتی۔

آغا متحدی: ایسا کیوں ہے؟

پروفیسر قیام علی: ان کا مسئلہ یہ ہے کہ اُن کیلئے حق کا کوئی عالمگیر تصور نہیں پایا جاتا۔ ان کیلئے اسلام میں روحِ انقلاب کا سرے سے کوئی شعوری پیغام نہیں؛ بلکہ فتوحات کی عظمت ہی کو وہ حق کی کامیابی گردانتے ہیں۔ انہوں ڈاکٹر اسرار احمد تک سے ایرانی انقلاب کی حمایت میں دلچسپی نہیں؛ جبکہ ارطغرل کے ڈرامے میں جنگی کارناموں اور پرچم کشائیوں کے دلدادہ ہیں۔

دوسری طرف اہل تشیع میں منطق، تنقید اور انقلاب کی بے پناہ توانائی ہے؛ لیکن وہ اسے تعمیراتی استعمال میں لانے کی بجائے داخلی کشمکش میں ضائع کر رہے ہیں۔

چنانچہ اہل سُنت کو فکری انقلاب کی جگہ ان کے پسندیدہ جنگی فتوحات کے شوق نے ہی افغانستان میں پھنسایا۔

آغا متحدی: لیکن جنرل ضیاء کی نجدی سوچ کا اہل تشیع کی داخلی نااتفاقی سے کیا علاقہ ہو سکتا ہے۔؟

پروفیسر قیام علی: جنرل ضیاء میں متشکل ہم اسکی سوچ کے دو مذہبی نکات معلوم کر سکتے ہیں۔(i) انقلاب دُشمن نجدی مذہبیت، جو عوام کے شعور کو بیدار کرنے کی بجائے، اُن میں ظاہری عبادات اور شریعت میں یکسانیت پیدا کرنے کیلئے تکفیری ثقافت پیدا کر دیتی ہے۔(ii) دانشور طبقے میں روحانیت منافی رجحان انگیزی۔

آغا متحدی: ہم کہہ سکتے ہیں کہ ضیاازم اصل میں روحانیت منافی عقل ایک تکفیری ثقافت سازی کا نام ہے۔

پروفیسر قیام علی: ایسا ہی ہے۔

آغا متحدی: یہ ضیاازم سامنے کیسے آئی؟

پروفیسر قیام علی: افغان جنگ میں بطور امریکی اتحادی ہماری حیثیت ایک طفیلیے سی تھی۔ امریکی مفاد کی منافع خوری میں جنرل ضیا نے عوامی لاشعوری کا استحصال کرتے ہوئے، تحریک خلافت کا جوش و جذبہ پیدا کر کے ملک کو نسلی، علاقائی، لسانی اور فرقہ وارانہ طور پر تقسیم در تقسیم کر دیا۔ سادہ لوح عوام کے ''گمان'' میں یہ ذہن نشین کروادیا کہ ایمان یہ ہے جسمیں عقل کا عمل دخل نہ ہو۔ اس خوش گمان ایمان کو عام کرنے میں ضمیر فروش قلم کاروں اور جاہل ملاؤں نے بہت دنیا کمائی۔

اس نے عقل و فکر کا گلہ گھونٹ کر معاشرے میں ایک مصنوعی عقلی خلا پیدا کر دیا۔ تاکہ اسے شریعت کے نام پر جہادی تشریح اور یکساں پوجا پاٹ سے زبردستی پر کر سکے۔ تاکہ قوم معاملات سے غافل ہو کر عبادات میں کھو جائے۔ اس نجدی صلاح کو ناقد کرنے کیلئے اس نے تکفیریت کو پولیس کا ڈنڈا تھما کر صاحبِ عقل و شعور کے سر پر کھڑا کر دیا۔ عوام اپنے سماجی، سیاسی، اقتصادیاتی اور اصل اخلاقی مسائل سے بے خبر ہو گئی۔

دوسری طرف اسلام کی نجدی تشریح کی مخالفت کرنے والے اہل دانش کے ناک میں اسقدر دم کر دیا کہ انہوں نے بیزار ردعمل میں اپنی تمام تخلیقی تعمیری اور اعلیٰ توانائیوں کو مذہب دشمنی میں برباد کر لیا۔ وہ حقیقی مذہب، دین فطرت، روح اسلام سے بھی نفسیاتی طور پر متنفر ہو گئے۔ جب مودودی بھٹو کے قتل کی تحریک چلائے گا، تو اہل عقل کا پُر نفرت ردعمل تو سامنے آنا تھا۔ جنرل ضیا بھی یہ ہی غصہ دلا کر چاہتا تھا کہ دانشور طبقے کی روحانی سوچ بھی ماؤف کر دے۔ مجھے افسوس ہے کہ آج پاکستان میں سوشلسٹوں کی عقلی حالت زار یہ ہو چکی ہے کہ وہ مذہبی بحث میں سطحی بھونڈی سے آگے کچھ جاننے کو تیار نہیں۔ مذہبی معاملے میں یہ لوگ بھی نجدی سطح کی سوچ کے حامل مخالف کی حیثیت رکھتے ہیں۔ دونوں، نجدی اور آج کا مغرب پرست مارکسری اسلام کی حقیقت کو عبارت سے آگے سمجھتے ہی نہیں۔ آپ خود ہی اندازہ لگائیں جہاں ''روشن گمان'' طبقے کی رو

حانی سمجھ بوجھ کی یہ بھونڈی حالت ہو، ہاں اُن مذہبی دیوانوں کے ایمان کا کیا عقلی درجہ ہوگا جو آج بھی ''زمین ساکن'' ہونے کے گرد گھوم رہی ہے، اور جن کی علمی تحقیق کا ایک مسئلہ یہ جاننا ہے کہ کھیرا کیسا کاٹا جائے۔

جبکہ ترجیحات میں قوم کی حقیقی اصلاح کیلئے جدید تعلیمی، تحقیقی اور مفید سماجی اداروں کا قیام عمل میں قرار پاتا۔ آبی ڈیم تعمیر کیے جاتے؛ آبپاشی کے منصوبے بنائے جاتے؛ جدید شفاخانے عام ہوتے؟ آبادی پر قابو حاصل کیا جاتا؛ صنعت و تجارت میں خود کفیل ہوتے؛ روزگار کی فراہمی حکومت کی ذمہ دار قرار پاتی۔ لیکن ہوا کیا کہ مذہبی اصلاح کاری کے نام پر قوم کا فلسفہ حقوق و فرائض ہی جنگی مہم بازی میں تکفیری اور عقل دشمن بنا دیا۔ بہترین روحانی فکر کو یرغمال بنا کر ظاہری رسوم واحکام کی نمائش میں عوام کے ہاتھ کاٹنے، ان کو کوڑے اور پتھر مارنے شروع کر دیئے کہ کہیں اُن کی توجہ اپنے پامال کردہ حقوق کیلئے بغاوت کی طرف دیکھنا نہ شروع کر دیے۔

چنانچہ شراب ظاہری کی جگہ پس پردہ افغانستان سے درآمد کردہ ہیروئن عام ہوگئی۔ نوجوان نسل کے ہاتھ میں کلاشنکوف تھما دی۔ امریکہ کے سعودی ریال سے جھوٹ موٹ کی ایک Steroid Economy پیدا کر دی۔ امریکی ریال لوٹنے کیلئے دینی مدرسوں کی جہاد فیکٹریوں میں مجاہدین پیدا کئے جانے لگے۔ فوج عیاش و عشرت میں قلا بازیاں مارنا شروع ہوگئی۔ یہ جو آج آپکو ہر وقت تمام شعبے بد حالی میں ڈوبے نظر آرہے ہیں وہ اسی مرد مومن، مرد حق کے نعرے والے جنرل ضیاالحق کے لگائے ہوئے زہریلے پودے اپنے ثمرات دے رہے ہیں۔

آغا متحدی: ضیاازم کا آپ اہل تشیع میں کیا اثر دیکھتے ہیں؟

پروفیسر قیام علی: ہم نے ضیاازم کی تعریف یہ کی کہ وہ ایک ایسی تکفیری ثقافت سازی ہے جو روحانیت کی عقل دشمن ہو۔ پس ضیا ایک شخص کا پاکستان میں نام نہیں جو آیا اور چلا گیا۔ وہ نجدی سوچ کا پاکستان میں ترجمان ہے۔ پس نجدی سوچ، نجدی اصلاح کاری پاکستان میں ضیاازم کہلاتی ہے۔ یہ ہی ضیاازم جب پاکستان کے اہل تشیع میں داخل ہوگئی، تو اس کا نام ڈھکو ازم بن کر سامنے آتا ہے۔

آغا متحدی: لیکن مولوی محمد حسین ڈھکو نجف سے تعلیم یافتہ، مکتب اہل بیتؑ کا نمائندہ ہے۔

پروفیسر قیام علی: نمائندہ ہونا اور نمائندہ بن جانے میں دو الگ بلکہ متضاد حقیقتیں پائی جاتی ہیں۔

آغا متحدی: کوئی جھوٹا نمائندہ کیوں بنے گا؟

پروفیسر قیام علی: کیوں کا جواب تو میں بعد میں دوں گا، پہلے ذرا جھوٹے نمائندوں کا پول کھول دوں، بحار الانوار ج 36 ص 63 میں گیارویں معصومؑ کا قول ہے: ''ایک وقت آئے گا جب کچھ لوگ ہمارے اہلبیتؑ کا لبادہ اوڑھینگے اور ہمارے نمائندہ ہونے کا دعویٰ کریں گے۔ یہ لوگ ہماری ولایت، مودت اور حق کو غصب کریں گے۔ ایسے علماء ہمارے شیعوں کیلئے لشکر یزید سے بھی بدتر ہیں۔''

اب یہ کیوں ایسا کرتے ہیں، تو اس کیلئے یہ سمجھ لینا کافی ہے ک یہ جھوٹے نمائندے آئمہ کی تین چیزوں کو غصب کرنا چاہتے ہیں: **ولایت، مودت اور حق**

آغا متحدی: کس لئے؟

پروفیسر قیام علی: اس طرح یہ لوگ حلیہ سازی کر کے رسول ﷺ کے منبر پر امامؑ کی جگہ براجمان ہو کر خود کو Authority بنا کر پیش کرتے ہیں۔

آغا متحدی: کیسے؟

پروفیسر قیام علی: ان ہی گیارویں معصومؑ کی زبان صدق سے میں اب آپ کو ''احتجاج طبرسی'' سے جعلی نمائندوں کا طریقہ واردات بتانے لگا ہوں۔

علماء میں ایک ٹولہ ایسا ہے جو ہمارے دوستوں میں موالیوں سے بغض و عناد رکھتا ہے۔ یہ ٹولہ اس پر قادر نہیں کہ کھلم کھلا ہمارا نام لیکر ہماری قدح کرے اور ہماری برائی بیان کر سکے۔ یہ ہمارے کچھ علوم پڑھ لیتا ہے اور ان ہی علوم کیوجہ سے ہمارے شیعوں اور موالیوں کے نزدیک قابل توجہ بن جاتا ہے۔ جب دیکھتا ہے کہ ہمارے کم علم سادہ لوح شیعہ اس ٹولے کی عزت کرنے لگے ہیں تو پھر یہ ہماری ذوات مقدسہ میں عیب و نقص دکھاتا ہے۔ ہمارے دوستوں کے دشمنوں کے سامنے ہمارے عیوب بیان کرتا ہے اور پھر **قیاس واجتہاد** سے ان جھوٹے نقائص اور عیوب کر بڑھا کر بیان کرتا ہے۔ حالانکہ ہم ان نقائص اور عیوب سے مبرا ہیں۔ ہمارے سادہ لوح کم علم شیعہ یہ سمجھ کر کہ یہ ٹولہ ہمارے علوم بیان کرتا ہے، ان کی باتوں میں پھنس جاتے ہیں اور گمراہ ہو جاتے ہیں۔ یہ ٹولہ ان بے چاروں کو گمراہ کر لیتا ہے۔ یہ ٹولہ ہمارے کم علم سادہ لوح شیعوں کیلئے لشکر یزیدی سے بھی زیادہ ضرر رساں ہے کہ جس نے حسینؑ اور ان کے اصحاب پر ظلم کیا تھا۔ کیونکہ یہ ٹولہ سادہ لوح کم علم شیعوں کی روح ایمان بھی سلب کر لیتا ہے اور ان کا مال بھی لوٹ کھسوٹ لیتا ہے۔ یہ ٹولہ علماء سو ہے۔ انہیں اپنے دام میں پھنسانے کیلئے یہ کہتا ہے کہ ہم تو اہلبیتؑ سے محبت رکھتے ہیں اور ان کے دشمنوں سے عداوت رکھتے ہیں۔ **یہ بھیس بدل کر کم علم شیعوں کے دلوں میں شک وشبہ داخل کر دیتا ہے کہ جس کے بعد وہ بے چارے پیچ وتاب میں پھنس کر ہماری عظمت وشان پر ایمان ویقین سے محروم ہو جاتے ہیں۔** یہی ٹولہ انہیں گمراہ کر لیتا ہے اور حق صریح وخالص سے ان بے چاروں کو روک دیتا ہے۔

آپ نے غور کیا یہ حاسد ٹولہ معصومینؑ کی ولایت، مودت اور حق کو ہدف بنا کر ان کی عظمت وشان، ان کی ذاتی صفات کو بے معنی کرنے پر تلا ہے۔

آغا متحدی: اس قدر نفیس اقتباس کے بعد میں حیران ہوں۔

پروفیسر قیام علی: کیوں ڈھکوازم کا طریقہ کار کچھ سمجھ آیا؟آپ پر ستاروں کی بے ہوشی کے گیتوں پر کان نہ دھریں۔ ضیاالحق کا بھی نعرہ تھامرد مومن، مردِ حق۔

آغا متحدی: اصلاح کار اتنا نقصان بھی دے سکتا ہے؟

پروفیسر قیام علی: یہ اصلاح کار، اصل میں فساد کے نمائندے ہیں۔ یہ قوم کیلئے وہ ریچھ ثابت ہوتے ہیں جس نے اپنے مالک کو سر پر بھاری پتھر پھینک کر موت کے گھاٹ اتار دیا، کیونکہ وہ اس کے ماتھے پر بیٹھی ضدی مکھی کو مارنے پر تل گیا۔ کیا آل سعود کی وہابی تحریک نے اصلاحی آڑ میں پوری امت میں خونریزی وفساد نہیں برپا کر رکھا؟

آغا متحدی: پاکستان میں فساد اور تخریب کاری میں بیرونی خفیہ ادارے بھی تو ملوث ہو سکتے ہیں۔

پروفیسر قیام علی: آپ قیاس آرائیوں اور غیر مرئی معاملات کے تعاقب میں کیوں اپنی سوچ کو ضائع اور دھوکہ دیتے رہتے ہیں؟جو سامنے موجود، نظر آرہا ہے اس کا غیر جانبدارانہ تجزیہ و تحلیل کریں!آخر پانی میں تو آگ نہیں لگ جاتی۔ یہ سازش تھیوریوں کا بہانہ بنا کر آپ حقیقی غور و فکر کر ذمہ داری کو کب تک دھوکہ دیتے رہے گئے؟

چنانچہ جنرل ضیا کی طرح، جس نے روسیوں کو دھریہ قرار دے کر جہاد کے نام پر آگ بھڑکا دی، مولوی محمد حسین ڈھکو نے شیخ احمد احسائی جو شیعہ تاریخ عرفان اور حکمت میں ایک عظیم قدآور شخصیت ہے کے خلاف اپنے پست نجدی سوچ کے مرشد خالصی کی پیروی کے مشن کا اعلانِ جنگ کر دیا۔ اعمال اور رسمی پوجا پاٹ کو ایسا بڑھاوا دیا کہ فروعات کو اپنے مقلدین کیلئے اصول دین بنا دیا۔ آپ اس کی نمائندہ کتاب ''اُصول الشریعہ'' کا تقابلی جائزہ عبد الرحمن ناصبی کی ''شریعت و طریقت'' سے کروائیں تو آپ کو معلوم ہو جائے گا ناصبیت اور مقصریت ایک دوسرے کا ظاہر و باطن ہیں۔

ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ انوارِ نجف سے مکتب اہلبیتؑ کی تعلیمات میں تہذیب و ثقافت، ادب و علوم، علم و حکمت اور عرفان کے بلند ترین چراغوں کی روشنی حاصل کر کے عام کرتا: لیکن جو خود ہی حکمت و حب علیؑ سے فارغ ہو، اسے تو نجدی عقائد اور پوجا پاٹ کے اندھیرے میں قوم کو مبتلا کر کے شیعت کے فلسفی باطن کو کالعدم قرار دینا ہوتا ہے۔

آغا متحدی: نجف سے فارغ التحصیل ہونے والا کیسے نجدی الفکر ثابت ہو سکتا ہے؟

پروفیسر قیام علی: مشہور ناول نگار جین آسٹن نے ان جیسوں کیلئے ہی تو لکھا تھا:'' Little minds catch little things''خود مولائے کائنات کی صحبت میں رہنے والے جمل اور صفین کے شیعہ اگر کھلم کھلا خوارج بن سکتے ہیں، تو نجف میں پڑھنے والا نجدی نہیں ہو سکتا؟ یہ خود اپنی کتاب ''تجلیاتِ صداقت'' میں اکثر یہ فقرہ لکھتا ہے:

جنہیں ہو ڈوبنا، ڈوب جاتے ہیں سفینوں میں۔

آغا متحدی: ایسا کیوں ہوتا ہے؟

پروفیسر قیام علی: کیا مچھلی ہوا میں اُڑتی ہے؟

آغا متحدی: کبھی نہیں۔

پروفیسر قیام علی: ایسا کیوں ہوتا ہے؟

آغا متحدی: کیونکہ یہ آبی مخلوق ہے، جس کا فضا علاقہ ہی نہیں۔ مچھلی ساری عمر درخت پر نہیں چڑھ سکتی، آئن سٹائن کہتا تھا۔

پروفیسر قیام علی: کیا مچھلی عقاب کی پرواز پر تبصرہ و تنقید کر سکتی ہے؟

آغا متحدی: اُن کے علاقے ہی علیحدہ ہیں۔

پروفیسر قیام علی: اسی لئے تو ابوالائمہؑ نے ملاؤں کو خبردار کیا ہے: ''شریعت نہر ہے اور حقیقت سمندر ہے'' علماء نہر کے ارد گرد چکر لگاتے ہیں۔ حکما علوم کے موتیوں کیلئے بحر حقیقت میں غوطہ زن ہوتے ہیں، اور عرف نجات کی کی کشتیوں میں سوار ہو کر بحرِ حقیقت کی سیر کرتے ہیں۔

پس عقائد کی حقیقت ایک باطنی سمندر ہے جس کو تنگ نظر ملا شریعت کی نہر کے کناروں میں محدود نہیں کر سکتا۔ اب جب کوئی نہر کے ارد گرد چکر کاٹنے والوں سے سمندر کے متعلق، اس میں پوشیدہ باطنی اسراروں کے متعلق پوچھے گا تو پتہ کیا ہو گا؟

آغا متحدی: کیا؟

پروفیسر قیام علی: یہ بدذوق لوگ عرفان شیعی کے چھتے میں پیدا ہونے والی حکمت و عرفان کی شہید کو ایمان والوں کیلئے زہر قرار دے دیں گے۔

ہمیں اپنے آپ کو اپنے اسماعیلی شیعہ بھائیوں کی طرح منظم کرنا تھا۔ قوم کو جدید تعلیم سے آراستہ کرتے۔ اہل تشیع میں آئیڈیالوجی کی فضا تشکیل دیتے۔ لیکن افسوس اس تنگ دماغ شخص نے الٹا قوم میں، (i) تشہد کی جنگ چھیڑ دی، (ii) معصومینؑ کے ذاتی فضائل کو متنازعہ بنا دیا۔ (iii) ہر چیز میں شرک اور غلو کی بحث ایجاد کر ڈالی۔ (iv) عزاداری کو رسوم کی سطح پر آکر چیلنج کر دیا۔ (v) واقعہ کربلا میں انقلابی پیغام کو سامنے لانے کی بجائے غیر ضروری نکتہ چینی شروع کر دی۔

غرض کہ اس اصلاح کار نے توحید اور شرک، مقصر اور غالی، مقلد اور غیر مقلد کے فساد کی آگ بھڑکا کر قوم کے اتحاد کا ستیاناس کر دیا۔

آغا متحدی: آپ نے بجا فرمایا کہ اسے فروعات کی سطح پر آکر عقائد کی بحث کو نہیں لانا چاہئے تھا اور یہ حقیقت ہے کہ رسوم پر توانائی تصرف کرنا کم عقلی ہے۔ یہ تو اخلاقیات اور موسموں کی طرح بدلتی رہتی ہیں۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ڈھکوازم کے زہر کا کیا تریاق ہے؟ جو اہل تشیع میں اتحاد کی فضا کو مستقل اور پائیدار بنیاد پر بحال کر دے گا؟

پروفیسر قیام علی: یہاں غیر تقلیدی علوی شیعت کا ایران کی تقلیدی شیعت سے تصادم ہے۔ یہ بات ہمیں سمجھنا ہو گی کہ شیعت کا مقدمہ معصومینؑ کی باکمال، لاثانی اور دیومالائی صفات سے مالا مال حقیقت پر مبنی ہے۔ ان کی یہ ذاتی صفات قرآن و حدیث کی روشنی میں ثابت ہیں۔

ہم آپ کسی عام انسان کیا، کسی حیوان، کسی پتھر کی بھی خوبیوں کے ذاتی ہونے کا انکار کر سکتے ہیں؟

آغا متحدی: بالکل نہیں!

پروفیسر قیام علی: بس اتنی سی بات ہے جو ملا حضرات نہ ماننے پر بضد ہیں بچوں کی طرح۔

آغا متحدی: وہ کیسے؟

پروفیسر قیام علی: ہمیں یہ سمجھنا ہو گا کہ علیؑ کی ذاتی صفات میں ایسی بلندی ہے کہ شیعہ عرفا ہی کیوں، خود اہلسنت کے صوفیا اور اولیا اللہ کیا، ان کے مذہب شافیعہ کے بانی امام شافعی کو بھی علیؑ میں خدا کا مظہر نظر آتا ہے۔ پس علیؑ کی انہی صفات کا مقدمہ نصیریوں تک محدود کرنا کم علمی ہے۔ کیا امام شافعی کو بھی نصیری کہو گے؟ کیا سلمان فارسیؓ بھی غالی تھے؟ بلکہ سنی دنیائے تصوف میں شیخ اکبر ابن عربی کا باقاعدہ انسان کامل کے ہونے کا فلسفہ و حکمت ہے۔ نفس رسول ﷺ تو نص قرآنی ہے، منصور نے تو اپنے غیر معصوم نفس کی معرفت میں کہہ دیا کہ وہ حق ہے۔ سوال یہ ہے کہ جب پتھر خود اپنی خوبیوں میں پتھر ہے تو آئمہ اطہارؑ اپنی صفات میں معصوم کیسے بے اختیار ہو گئے؟ چنانچہ علیؑ کو سمجھنے اور اللہ کو ممتاز رکھنے کیلئے ضروری ہے کہ ہم نہایت سنجیدگی سے **"انسان کامل"** کے نظریہ کمال کو سمجھیں۔

آغا متحدی: میں سمجھ رہا ہوں۔ لیکن پوچھنا یہ چاہتا ہوں کہ تصادم کہاں آرہا ہے ایران کے تقلیدی شیعوں اور پاکستان کے غیر تقلیدی شیعیانِ علیؑ کے درمیان؟

پروفیسر قیام علی: تقصیری ٹولہ بضد ہے کہ علیؑ اور آئمہ کی صفات ان کی ذاتی کمال نہیں بلکہ اللہ کے اذن کی پیداوار ہیں۔ صفات ان کی ذاتی نہیں، بلکہ **"اُذنی صفات"** ہیں۔ بطور انسان آخر کار علیؑ میں کوئی صفت، کمال ان کا ذاتی اعزاز نہیں کہلوایا جا سکتا۔

دوسری طرف نصیری کہلوائے جانے والے اللہ اور انسان کامل کے درمیان نہایت نفیس فرق کو صوفیا اور شافعی کی طرح نظر انداز کر دیتے ہیں۔ جیسے منصور نے کہا **"انا الحق"** حالانکہ علیؑ، نفسِ رسولؐ، کوئی منصور نہ تھا۔

اب کرنا یہ ہو گا کہ مقصر گروہ منبر سے لفظ **"اُذن"** کا تقصیری استعمال آئمہ کی ذاتی صفات کو مجروح کرنے کیلئے ختم کریں۔ جبکہ ولایت والوں کو علیؑ اور اللہ میں نفیس فرق کو روا رکھتے ہوئے علیؑ کے ساتھ اللہ کے اسم کو ہٹانا ہو گا۔

اس طرح معصومینؑ کی "ذاتی صفات" پر خود بخود شیعہ قوم کا اتحاد ہو جائے گا۔ اس اتحاد کی ضمانت میں خود قول معصومؑ سے دیتا ہوں کہ "ہمیں اللہ مت کہو۔ اس کے علاوہ تم ہماری جو بھی صفت بیان کر لو، ہم تک کبھی نہیں پہنچ سکتے"۔

آغا متحدی: بہت خوب! قولِ معصومؑ کے بعد ہر قسم کی اصلاح کاری قوم کو متحد کرنے میں صرف ریاکاری ہی ثابت ہوتی ہے۔

پروفیسر قیام علی: میں سمجھتا ہوں کہ عترتِ رسول ﷺ کی "**ذاتی صفات**" پر اتحاد قائم کئے بنا نہ اہل تشیع پاکستان میں نئے عالمی نظام کا کامیاب حصہ بن سکتے ہیں، نہ ہی ایران ہمارے ہاں مطمئن رہ کر اپنا مؤثر کردار ادا کر پائے گا۔

آغا متحدی: ایران کی اس سلسلے میں کیا ذمہ داری بنتی ہے؟

پروفیسر قیام علی: ایران کو ہمارے خطے میں اپنی مقصرانہ شیعت کے تقلیدی نظام کو پس پشت ڈالنا ہو گا۔

آغا متحدی: میں اس تجویز کو ذاتی صفات پر اتحاد کی نظر سے اچھی طرح سمجھ سکتا ہوں اور حمایت کروں گا۔ لیکن آپ مزید روشنی ڈالئے۔

پروفیسر قیام علی: برصغیر پاک وہند کی سرزمین نہایت رنگین ہے۔ یہاں کے گیت، غزلیں اور مرثیے؛ درخت، پھل، سبزیاں اور دالیں؛ زبانیں، نسلیں اور رنگ؛ موسم، پکڑے اور رسوم ورواج نہایت امیر ہیں۔ ایران کو یہاں تقلیدی نظام میں یکسانیت پیدا کر کے ان رنگوں کو مٹانے میں ناکامی اور مایوسی ملے گی۔ بلکہ اہل تشیع کو **معصومینؑ کی ذات کے رنگین کمالات** پر متحد کرنا ہو گا۔

طالبان اور وہابیت کی ناکامی سے اسے تاریخی سبق سیکھنا ہو گا کہ ظاہری شریعت کی نہر یہاں فطرتی طور پر پیدا ہونے والے قلندروں، ملنگوں، فقیروں میں حکمت اور عرفان کی پیاس نہیں بجھا سکتی! بحر حقیقت کے اسرارِ الٰہیات کی منطق کو تقلید کی زمین دوز غار میں قید کرنا ظلم ہو گا۔ نجد کی ناصبیت یہاں کی عارفانہ، باذوق اور متصوفانہ ضروریات کو پورا نہیں کر سکتی۔ ایران یہاں کے آم، مصالجات اور دالوں کی قدرتی پیداوار کا انکار نہیں کر سکتا۔ اگر ایران میں شیعت کے درویشی پہلو کو دبا دیا گیا ہے؛ تو اس کی یہ کوشش یہاں ناکام ہو جائے گی۔ غیر مقلد شیعیانِ علیؑ کی نظر میں اس کی حیثیت بنو امیہ اور بنو عباس کی سی بن جائے گی۔ چنانچہ غیر مقلدین کیلئے اس کو روادارانہ رویہ اختیار کرنا چاہئے۔ اور برطانوی راج کی طرح یہاں کے نسلی اور علاقائی تشخص کو اپنی تقلیدی اجارہ داری میں پامال کرنے کی ناگوار اور نفرت لائق کوشش سے مکمل گریز کرنا ہو گا۔

بس پاکستان میں علوی اور ایرانی شیعت میں تصادم کو ختم کر کے متحد کرنے کیلئے تین بڑی باتوں کو ملحوظ خاطر رکھنا ہو گا۔

(i) ایران پاکستان میں شیعہ قوم کے دو طبقات، ایک جذباتی تو دوسرا ذہین، کو کبھی اپنے تقلیدی نظام کو حصہ بنانے میں کامیاب نہیں ہو سکتا۔ وہ طالبان کی طرح ان کی عرفانی سوچ اور مزاج کے گلے میں تقلید کا پٹہ نہیں ڈال سکے گا۔

(ii) ذاتی صفات کے بغیر اتحاد کی ہر کوشش مصنوعی اور ناکام ہو گی۔ جوں جوں جدید تعلیم سے اہل تشیع آراستہ ہوتے جائیں گے؛ وہ کسی مجتہد کا طوق اپنے گلے میں برداشت نہیں کریں گے۔

(iii) اگر قم کی مقصرانہ شیعت نے خود کو یہاں زبردستی مسلط کرنے کی کوشش کی؛ تو ناراض شیعہ، بریلوی مسلک کی حسینی اکثریت کیساتھ ملکر زبردست مزاحمتی تحریکیں شروع کر دیں گے۔ اس طرح ولایت علیؑ سے بیزار مقصرین صرف اپنے مدرسوں کے قعلوں میں محصور ہو کر رہ جائیں گے۔ امام باڑے فقط ایران باڑے بن کر رہ جائیں گے۔

ان تینوں صورتوں میں نجات اور حل کا راہ صرف ایک ہی ہے کہ ایران اپنے اثر ورسوخ سے پاکستان میں شیعیان حیدر کرارؑ کو آئمہ معصومینؑ کی ''ذاتی صفات'' پر اکٹھا کر کے علوی اور ایرانی شیعت کے تصادم کو ختم کر دے۔

Dated: 26-09-2020

The Following Books are Written by the same author available at ARCHIVE.ORG

- عصمت آدمؑ اور ابلیس (ابطال نظریہ تخطۃ الرسول ﷺ و پرویزی فتنہ احادیث)
- The Intellectual Tragedy of Islam.

The Following writings are by the same author available at ARCHIVE.ORG

- The Islamic Philosophy: Avicenna or Ghazali
- The Nature of Islamic Science: The axis of Avicenna and West
- The Miracle, Reason and Islam.
- The Critique of pure Nihilism in Islamic Cosmology
- The Mythology of Islamic State
- The Myth of Marxism and Pakistan
- The Ghost of Bolshevism in Pakistan
- The Irony of Authority: Dictator or Demagogue
- The Myth of Afghanistan and British Raaj
- شیعت کی اجتہاداتی تحریف (The Juristic Distortion of Shi'ism)
- پاکستانی شیعہ قوم میں ڈاکٹر علی شریعتی کی آئیڈیالوجی کی ضرورت (Ali Shariati in Pakistan)
- السلام کے تکوینی نظام کی ناجائز تشریح پر تنقید (The Critique of pure Nihilism in Islamic Cosmology)
- The Conflict Between Alvid and Iranian Shi'ism in Pakistan پاکستان میں علوی اور ایرانی شیعت کا تصادم